جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

مولانا اختر احسن اصلاحیؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ
عظیم شخصیات
آسمان سے نہیں اترتیں
بلکہ
زمین پر پیدا ہوتی ہیں،
زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛
اور یہ کہ
ہر بچہ
اگر 'چاہے'
تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

”کوئی چاہے کتنا ہی وجیہہ وشریف ہو، اگر نماز میں کوتاہ ہوتا تو وہ مولانا کی نگاہ میں معزز نہ ہوتا۔ ان کا گویا ایمان تھا کہ نماز کے بغیر انسان ایک اچھا انسان نہیں بن سکتا۔ اس پر انھیں ایسا یقین تھا کہ کبھی کبھی وہ یہاں تک کہہ جاتے: ”میں کعبہ کی چھت پر کھڑا ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ جس شخص کی نماز درست نہ ہو وہ کبھی ایک اچھا انسان نہیں بن سکتا۔“ مولانا زبان سے تو یہ باتیں دہرایا ہی کرتے، عملاً بھی اس اصول کو ہمیشہ برتنے کی کوشش کرتے۔

وہ تاحیات جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن رہے اور عرصہ تک مقامی جماعت کے امیر بھی رہے۔ اس زمانے میں مدرسۃ الاصلاح کے ایک استاذ تھے جو مولانا کے عزیز شاگرد بھی تھے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ وہیں مدرس ہو گئے۔ بہت صالح، ذہین اور باصلاحیت جوان، اور ایک اچھے ادیب و شاعر تھے۔ جماعت اسلامی کے سرگرم اور پرجوش کارکنوں میں سے تھے۔ لیکن ابھی رکن نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے رکنیت کا فارم پر کر کے مولانا کی خدمت میں پیش کیا۔ امیر مقامی کی حیثیت سے مولانا کی تصدیق ضروری تھی۔ مولانا نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

مولانا نے فرمایا: ”تمھاری لیاقت اور جوش و ولولہ اپنی جگہ مسلّم، مگر پہلے نماز ٹھیک کرو۔ جب تک نماز ٹھیک نہیں ہوگی اور اس کے لیے چستی و مستعدی پیدا نہیں ہوگی میں فارم پر دستخط نہیں کروں گا۔“

وہ صاحب اگرچہ نماز کے پابند تھے لیکن پھر بھی طبیعت میں کچھ لاپرواہی تھی وہ جب تک الاصلاح پر رہے، اپنی اس کمزوری پر قابو نہ پا سکے، لہذا مولانا بھی ان کے رکنیت فارم پر دستخط کرنے کے روادار نہ ہوئے۔“[19]

(محمد عنایت اللہ اسد سبحانی)

اختر احسن اصلاحی

پیدائش، بچپن اور تعلیم: اختر احسن اصلاحی ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ املو چکیا کے ایک معزز زمیندار گھرانے میں 1901 میں پیدا ہوئے۔ والد حافظِ قرآن تھے مگر مزاج کے ذرا تیز تھے اور گھر والوں پر سختی کرتے تھے، انہی سختیوں سے نالاں مولانا کے ننھیال والوں نے ان کی والدہ کے انتقال پر انھیں اپنے ہاں بلا لیا۔ ننھیال سیدھا سلطانپور میں ہی ان کا بچپن بیتا۔ 1914 میں مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوئے، ابتدائی درجوں سے لے کر اخیر تک یہیں تعلیم حاصل کی۔ 1922 میں فارغ ہوئے۔ اختر احسن بلا کے ذہین اور ہر فن مولا تھے لیکن کم گوئی کی خصلت کی وجہ سے ان کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے نہ آتی تھیں۔ ان کی تحریری لیاقت اعلیٰ پائے کی تھی لیکن کسی موضوع پر منظم اور مربوط تقریر کرنا ان کے لیے مشکل تھا۔ کسرتی کھیلوں میں حصہ لینے میں وہ کبھی پیچھے نہیں رہے، فٹبال اور والی بال کے تو چمپئن تھے لیکن کھیلوں میں بھی ان کی پرہیز گاری بچپن ہی سے ان کی صالح اٹھان کی غمازی کرتی تھی۔ ایک مرتبہ مولانا کی ٹیم عظمت گڑھ کھیلنے گئی ہوئی تھی، ٹیم کی شہرت کے سبب والیٔ ریاست کی بیگمات نے بھی کھیل دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر پردے کا اہتمام ہو اور بیگمات نظر نہ آئیں تب تو کھیل میں حصہ لوں گا ورنہ نہیں؛ چنانچہ کھڑکیوں پر چلمنیں ڈال دی گئیں۔ اسی موقع پر اصلاحی ٹیم کا فوٹو کھینچا گیا تو مولانا وہاں سے سرک گئے۔

علامہ فراہی کی ذات سے سب سے زیادہ فیض اگر کسی نے اٹھایا تو وہ یہی اختر احسن اصلاحی کی ذاتِ بابرکت ہے۔ یہ قرآن سے ان کا لگاؤ ہی تھا کہ ترجمان القرآن حمید الدین فراہیؒ سے لمحے بھر کی جدائی ان پر شاق تھی۔ کوشش کرتے کہ زیادہ سے زیادہ وقت ان کی خدمت میں گزرے حتیٰ کہ رمضان کی تعطیل ہوتی تو کوشش فرماتے کہ یہ تعطیل بھی گھر کے بجائے علامہ کی صحبت میں ہی گزاری جائے۔ علامہ فراہیؒ رات دو بجے ہی بستر چھوڑ دیتے، استاذ کے ساتھ ساتھ اختر احسن بھی اٹھ کھڑے ہوتے۔

جب تک استاذ ورزش وغیرہ سے فارغ ہوتے تب تک ان کے غسل کے لیے حسبِ ضرورت سرد یا گرم پانی کا انتظام کرتے۔ پھر تہجد کے لیے استاذ کے پہلو میں آپ بھی کھڑے ہوجاتے، قیام اللیل کی یہ عادت زندگی بھر چھوٹنے نہ پائی۔ نماز سے ان کا عشق روز افزوں بڑھتا رہا، جماعت کی پابندی، سنن و نوافل کا اہتمام، طویل قیام، سجدے میں دیر تک گریہ وزاری ان کی نماز کی خصوصیات تھیں۔ امین احسن اصلاحی ان کے جگری دوست تھے۔ علامہ فراہی نے ایک مرتبہ دونوں طلبہ کو قرآن کے کسی موضوع پر مقالہ تحریر کرنے کا حکم دیا، انھیں دونوں کے مقالے پسند آئے البتہ مولانا اختر احسن کے مقالے کو زیادہ پسند فرماتے ہوئے کہا کہ: جو لوگ خاموش رہتے ہیں، سوچتے زیادہ ہیں۔

باغبانِ اصلاح: 1922 میں فراغت کے بعد وہیں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ بعد ازاں اصلاح کی نظامت سنبھالی۔ ان کے زمانۂ نظامت میں مدرسے نے نئی بلندیوں کو چھوا۔ مولانا نے سرسری مطالعے اور امتحان پاس کرلینے کی دھن کے بدلے طلبہ میں سنجیدہ مطالعے، تحقیق اور غور وخوض کا ذوق پروان چڑھایا۔ وہ طلبہ کو اپنی اولاد تصور کیا کرتے تھے اور ان کی کوتاہیوں پر اسی اپنے پن کے ساتھ بے چین ہوجایا کرتے تھے۔ طلبہ میں جن خصوصیات کو وہ دیکھنا چاہتے تھے پہلے خود ان خصوصیات کو اپنالیا تھا۔ نظم وضبط کے سخت پابند تھے۔ تعلیمی گھنٹی کے بجتے ہی درسگاہ میں سب سے پہلے پہنچتے اور سب سے آخر میں لوٹتے۔ مدرسے کے مال کے تئیں حد درجہ محتاط تھے۔ آپ شریر اور گستاخ لڑکوں پر خصوصی توجہ دیتے اور ذہین طلبہ کی صحیح نہج پر تربیت کے لیے بہت فکرمند رہتے۔

نظامت کے علاوہ تدریسی فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ قرآن پر گہری نظر کی وجہ سے قرآنیات کے دروس انھی کے پاس تھے لیکن قرآن کی عظمت کا ایسا پاس تھا کہ قرآن کی تعلیم کی اجرت نہ لیتے تھے، اسی لیے قرآن کے علاوہ دو تین پیریڈ ادب اور بلاغت کے بھی پڑھاتے تھے۔ تنگی، عسرت اور مہنگائی کی وجہ سے ذمہ داروں نے بارہا چاہا کہ کچھ تنخواہ بڑھادی جائے لیکن ہر بار انھوں نے انکار کردیا۔ وقت کے ضیاع کے سخت خلاف تھے، کبھی پڑھانے کا موڈ نہ ہوتا یا طبیعت ناساز ہوتی تو بچوں کو خوش گپی کی اجازت دینے کے بدلے علامہ فراہی کے مسودات پڑھ کر سناتے۔ بچوں کے ساتھ سختی کرنے کے سخت خلاف تھے، نرمی اور حکمت کے ساتھ نصیحت کرنے کے عادی تھے اور اسی کی تبلیغ کرتے تھے۔

تحریک کا سپاھی: مولانا مودودی کی آواز پر لبیک کہہ کر جماعتِ اسلامی میں شامل ہونے والوں میں آپ سرِ فہرست تھے۔ تقسیم کے بعد جماعتِ اسلامی ہند کی مرکزی شوریٰ کے رکن بنے۔

مدرسے میں جماعت کے کام کی انھوں نے کچھ اس طرح اشاعت کی کہ ایک زمانے میں مدرسہ اصلاح جماعت کا ایک اہم مرکز مانا جانے لگا تھا۔ وہ جماعتِ اسلامی ہند کا دماغ تھے۔ حالات کے پیشِ نظر جماعت کے نصب العین 'حکومتِ الٰہیہ کے قیام' کو ایک بہتر اور قرآنی تعبیر 'اقامتِ دین' سے بدلنے کا مشورہ انھی کا تھا؛ جسے نہ صرف ہندوستان بلکہ بعد میں پاکستان کی جماعت نے بھی تسلیم کیا۔ ایثار وقربانی اور فرض شناسی کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے ضلعی اجتماع میں شریک نہ ہو پاتے تو آنے جانے کا کرایہ جماعت کے بیت المال میں جمع کرا دیتے، یا کسی ضرورت مند رفیقِ جماعت کو اجتماع میں جانے کا خرچ دے دیتے۔ 1952 کے پہلے کل ہند اجتماع میں بطور مقامی جماعت کے امیر ان کا حیدر آباد جانا ضروری تھا جس کے لیے ستر روپے درکار تھے۔ مقامی جماعت نے بیت المال سے یہ خرچ پورا کیا کہ یہ رقم مولانا کی حیثیت سے زیادہ تھی۔ واپسی پر مولانا نے بیت المال کے انچارج سے فرمایا کہ یہ رقم ان کے نام قرض لکھ لی جائے جسے وہ ہر ماہ پانچ پانچ روپے کر کے قسطوں میں ادا کر دیں گے۔ نظمِ جماعت نے ان روپوں کو قرض تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مولانا غیر ضروری مباحثوں میں پڑنے کے عادی نہ تھے، چپ ہو گئے۔ مگر ہر مہینے 'اعانت' کے نام پر پانچ پانچ روپے کی رسید کٹاتے رہے اور 'قرض' چکا کر ہی دم لیا۔ امیر جماعت مولانا ابواللیث اصلاحیؒ کا انھوں نے زندگی بھر ساتھ نبھایا، مولانا اختر احسن کی کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ کوئی یہ تصور تک نہ کر سکتا تھا مولانا ابواللیث ان کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ مولانا امیر جماعت کی تعظیم کرتے، اطاعت کرتے، ضوابط کی تکمیل کرتے اور امیر جماعت کے استاذ ہونے کے ناطے کسی خصوصی رعایت کے طالب نہ تھے۔

مجسم حسنِ اخلاق: مولانا اعلیٰ اخلاق و کردار کی حامل شخصیت تھے۔ ان کا فیض ہر خاص و عام کے لیے عام تھا۔ لوگ ان سے مل کر ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ محبت اور حسنِ اخلاق سے وہ ٹیڑھے دلوں کی کجی دور کرنے میں ماہر تھے۔ ایک مرتبہ مدرسے میں انگریزی کے ایک داڑھی ندارد ماسٹر کے آنے پر واویلا مچ گیا۔ جب اسٹاف کے دیگر افراد نے ذرا سخت انداز میں ماسٹر صاحب سے تعرض کیا تو وہ ضد پر آ گئے کہ داڑھی ہرگز نہیں رکھیں گے۔ لوگوں نے اس رویے کی شکایت مولانا اختر احسن سے کی تو انھوں نے معترضین کو نرمی، حکمت، موعظت حسنہ اور جدالِ احسن سے کام لینے کا مشورہ دیا۔ مولانا کے اس رویے کو دیکھ کر ضد پر اڑے ہوئے ماسٹر نے مولانا کے پاس آکر عہد کیا کہ ''اس چہرے پر اب استرا نہیں چلے گا۔''

مولانا لوگوں کی خوشی کے لیے تحفے تو سبھی قبول کر لیتے لیکن ان کی محتاط طبیعت انھی تحفوں کو استعمال

کرنے پر آمادہ ہو پاتی تھی جن کے بارے میں انھیں مکمل اطمینان حاصل ہوتا تھا؛ ورنہ صدقہ کر دیتے۔
اپنی نرم خو اور منکسر المزاج طبیعت کے باوجود بدعتوں اور اوٹ پٹانگ رسموں کے خلاف خاصے 'انتہا پسند' واقع ہوئے تھے۔ وہ ایسی کسی تقریب میں شرکت نہ کرتے جہاں اس قسم کی رسموں کی پاسداری کی جا رہی ہو۔ بارہا ایسا ہوا کہ کسی عزیز کے ہاں مدعو ہوئے اور الٹے پاؤں لوٹ آئے کہ وہاں راگ اور ڈھول تاشہ چل رہا تھا، یا کسی غریب کے ساتھ برا سلوک ہو رہا تھا۔ غلط لوگوں کی صحبت سے خود بھی گریز کرتے دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے لیکن ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے اور آڑے وقتوں میں کام آتے۔ جیسا کہ پہلے ہی لکھا گیا مولانا کا کفاف کافی محدود تھا لیکن ہاتھ اور دل کھلے ہوئے تھے۔ وہ جس روز گھر پہنچتے گاؤں کے ضرورتمند لوگ ان کے پاس پہنچ جاتے۔ خود ایثار کر کے دوسروں کی مدد کرنے میں آپ اپنی مثال تھے۔ عید کے موقع پر ایک مرتبہ ایک دوست اور رفیقِ جماعت کی پوری رقم گم ہو گئی۔ بیچارے کافی پریشان ہوئے، مولانا نے ان کی پریشانی معلوم کر کے انھیں اتنی ہی رقم اپنے پاس سے دے دی مگر اپنے رفیق کے گھر عید کی تیاریوں میں فرق نہ آنے دیا البتہ خود ان کے گھر عید نہایت سادہ طریقے سے منائی گئی۔ ایک بار جاڑے کے موسم میں پرانی چادر ہی پاس تھی چنانچہ ایک نیا کمبل خریدا۔ لیکن جیسے ہی معلوم ہوا کہ باورچی صبح فجر کی نماز ٹھنڈ لگنے کی وجہ سے نہیں پڑھتا تو اسے اپنا یہ نیا نویلا کمبل ہبہ کر دیا اور خود پھر اسی پھٹی پرانی چادر پر قناعت کر لی۔ تاریخ میں حضرت طلحہؓ اور ان کی بیگم کی مہمان نوازی نقش ہے انہی کے اسوے کی پیروی کرتے ہوئے بارہا ایسا ہوا کہ مولانا روشنی ہلکی کر کے خود باسی روٹیاں نیچے سے لے لے کر کھاتے رہے اور مہمان کو اوپر سے تازی روٹیاں کھلاتے رہے۔
قرآن کے رمز شناس تھے، ترجمہ کرتے وقت الفاظ کی گہرائیوں تک اترتے تھے لیکن کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ علامہ سید سلیمان ندوی اور امین احسن اصلاحی جیسے شہرۂ آفاق لوگ ان سے استفادہ کرتے تھے مگر مولانا کبھی ان باتوں کی تشہیر تو کجا زبان پر لانا گناہ خیال کرتے تھے۔ کسی مفسر سے کبھی اختلاف کیا بھی تو اپنی طبیعت کے مطابق طالبعلمانہ انداز اختیار فرماتے تھے۔
ان کی یہی گوناں گو صفات تھیں کہ ایک قلیل المدت علالت کے بعد 9 اکتوبر 1958 کو جب انھوں نے انتقال فرمایا تو بڑے بڑے اکابرین کے ساتھ ساتھ گاؤں کے دودھ بیچنے والے بھی دل توڑ کر روتے ہوئے پائے گئے۔ اللہ انھیں جنت کے اعلیٰ درجات نصیب کرے اور ہمیں ان کے سے اخلاق، علم، انکسار، بے نفسی، ایثار و دیگر صفات سے متصف فرمائے۔ آمین!